منفرد طرزِ احساس کا شاعر—شکیب جلالی

ڈاکٹر وفا یزداں منش، ایسوسی ایٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف تہران

ڈاکٹر نورین رزاق، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Shakeb is a poet with unique style of perception. His poetry depicts various aspects of life. He adopted different way to express his thoughts and art. Personal and internal experiences have been turned into collective experiences of society by his efforts. His poetry is also unique in terms of art and style . The specific aspect of shakeb's poetry is imagery which enhances the beauty of verse(shair) with the help of symbols , metaphors and allegories . This article illustrate various aspects of his thought and art.

Key Words: various, aspects, imagery, symobls, allegories,

شکیب جلالی بلاشبہ ان خوش نصیب شعرا میں شامل ہیں جن کے ہاں لہجے کی انفرادیت، خود اعتمادی اور اظہار کی بھرپور توانائی نظر آتی ہے۔ شکیب ایک منفرد طرزِ احساس رکھنے والے شاعر ہیں۔ ان کی انفرادیت کی وجہ یہ ہے کہ شدتِ احساس نے ان کے تجربات و مشاہدات کو کم عمری میں ہی ان کے مخصوص مزاجِ شعری سے ہم آہنگ کر دیا اور اس میں مقناطیسی کشش پیدا کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رعنائی افکار سے فیض اٹھانے والوں کی تعداد کم نہیں رہی۔ فکری اعتبار سے شکیب کی شاعری عصری حسیّت کا خوبصورت اظہار ہے۔ پروفیسر جعفر رضا اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "شکیب جلالی کا کلام عصری حسیّت سے بھرپور ہے۔ ان کے لہجے میں کلاسیکیت ہے اور جدیدیت بھی۔ فنی بالیدگی بھی ہے اور انسان دوستی بھی۔ شکیب جلالی کی طرح کے شاعر اپنے کلام کی تہہ داری اور معنویت کے اعتبار سے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔"(۱)

شکیب کی شاعری زمان و مکان کے مسائل اور دیگر فکری پہلوؤں سے عاری نہیں ہے۔ غیر انسانی رویوں کا نوحہ ہو یا تلاشِ ذات کا معاملہ، زندگی اور موت کا فلسفہ ہو یا تحرک و اُمید کی باتیں شکیب کی شعری دنیا میں تمام موضوعات نظر آتے ہیں۔ شعری محاسن کے اعتبار سے بھی وہ اپنی انفرادیت برقرار رکھتے ہیں۔ ندرتِ خیال، سادگی و

سلاست اور جدت پسندی ان کی شاعری کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

کوئی بھی تخلیق کار ماضی کی علمی و ادبی اور تہذیبی روایات سے پیوست تو ضرور ہوتا ہے لیکن زندگی میں نئے تجربات اور راستوں کی گنجائش ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ شکیب نے اپنے فکر و فن کے لیے الگ راستہ چننے کو ہی ترجیح دی۔ وہ کہتے ہیں:

شکیب اپنے تعارف کے لیے یہ بات کافی ہے
ہم اس سے بچ کے چلتے ہیں جو رستہ عام ہو جائے (۲)

شکیب کا مخصوص اور منفرد طرزِ احساس ان کی شاعری میں جابجا جلوہ گر ہے۔ ان کی تخلیقی استعداد اور زبان و بیان پر گرفت نے شاعری میں جہاں نشاط انگیز معنویت پیدا کی ہے وہیں جمالیاتی قدریں جذبے سے ہم آہنگ ہو کر حسّیاتی کیف کا باعث بنتی ہیں۔ وہ تجریدی مسائل کو مجسم اور خیال کو تصویر کرنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں۔ اپنی شاعری میں تخلیقی، جمالیاتی اور فنّی تقاضوں کو مدِ نظر رکھ کر، جذبے، تخیل اور حسّی تجربے میں قارئین کو شامل رکھنا ان کی کامیابی کی بڑی دلیل ہے۔ شکیب کی شاعری میں ذاتی اور داخلی تجربات کو معاشرے کے اجتماعی تجربات کا روپ دے دیا گیا ہے۔ اسی لیے ان کی شاعری میں موضوعات کی وسعت محسوس ہوتی ہے۔ شمس الرحمان فاروقی ان کی شاعری کی رنگا رنگی، وسعت اور مقبولیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"شکیب جلالی کے کلام کو پڑھیں تو ہمیں جگہ جگہ ایسے شعر نظر آتے ہیں جو ضرب المثل کی حد تک مانوس ہو چکے ہیں اور نئی شاعری کی پہچان بیان کرنے کے لیے اکثر مذکور ہوتے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شکیب جلالی کے سوا کوئی جدید شاعر نہیں ہے جس نے اتنی کم عمر پائی ہو اور جس کا کلام اتنا مختصر ہو اور پھر بھی جس کے شعر اتنی کثیر تعداد میں مقبول خاص و عام ہو چکے ہوں۔ شکیب جلالی کی اکثر غزلوں کا ایک شعر، بلکہ بعض غزلوں کے تو دو دو شعر آج بھی ہماری زبان پر ہیں۔۔۔ شکیب جلالی نے ہمارے زمانے کا درد اور کائنات کی وسعت میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے جدید انسان کے المیے کو اپنے ہی رنگ اور اپنی ہی زبان میں بیان کیا ہے۔" (۳)

گویا شکیب کی شاعری میں عصری تقاضے بھی نظر آتے ہیں اور یہ اپنے دور کے انسان کی سوچ، فکر اور کشمکش کی بہترین عکاسی بھی کرتی ہے۔ ان کی شاعری بالخصوص غزل کے بے شمار پہلو اور بے شمار جہات ہیں۔ اُن کی شاعری کا اختصاصی پہلو وہ تصویریں ہیں جو ان کے داخل کی دنیا کی عکاس ہیں تو کہیں باطن اور خارج کے امتزاج سے نئے احساسات کو جگانے کا موجب ہیں۔ شکیب کے ہاں باصرہ، لامسہ اور سامعہ کو متاثر کرنے والی تمثالیں موجود ہیں۔ وہ

متحرک تمثالوں کی مدد سے منفرد حسیّت کے پیکر بناتے ہیں۔ شکیب جو سوچتے ہیں اُسے محسوس بھی کرتے ہیں۔ شکیب کا کلام، علائم و رموز، استعارات اور پیکروں سے مملو ہے۔ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد لکھتے ہیں:

"شکیب جلالی جدید غزل کے منظر نامے پر ایک ایسے منفرد شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں جنھوں نے داخلیت اور خارجیت کے امتزاج سے اپنے عہد کو بہ تمام و کمال عکس انداز کیا ہے۔ جدید غزل میں پیکر تراشی اور تمثال کاری کے رجحان کو فروغ دینے والوں میں شکیب کا نام مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے نئی تشبیہات، استعارات اور علامات سے ان تصویروں کو زیادہ دل کش اور ہمہ رنگ بنادیا ہے۔"(۴)

شکیب نے احساس اور شعور کی مدد سے معنوی ممکنات کی بازیافت کی ہے۔ انھوں نے اپنے اشعار میں علائم و رموز کو ذہنی آگہی سے برتا ہے۔ ان کی شاعری میں الفاظ و علائم کی خاص معنوی سطح پیدا ہونے کے پیچھے ان کے ذاتی تجربے کا حصہ ہے اور شاعری میں پیش کی جانے والی سچائیاں شاعر کے اندر موجود ہیں۔ اگرچہ آفرینشِ حیات و کائنات سے لے کر جدید دور تک کے معاملات و مسائل کو بیان کرتے ہوئے شعرا اپنی فکری اساس کو بروئے کار لاتے رہے ہیں اور شکیب کے ہاں غزل میں یہ زاویہ نیا نہیں ہے۔ تاہم وہ الفاظ کے انتخاب سے جس مخصوص فضا کو تخلیق کرتے ہیں وہ انھی کا خاصہ ہے۔ احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

"شکیب کے سمبلوں میں نہ وہ کھنگی ہے کہ چُھولو تو بُھر جائیں، نہ وہ جدت (برائے جدت) کہ شاعر حسن آفرینی سے الگ ہو کر صرف چونکانے پر کمر باندھ لے۔ یہ سمبل قاری کے ذہن میں ایک مکمل تصویر لے آتے ہیں اور اس تصویر کے پس منظر میں شعر میں چھپا ہوا خیال یا جذبہ پورے حسن سے جگمگا اُٹھتا ہے۔"(۵)

شکیب کی شاعری میں صحرا، پانی اور سورج جیسی علامتیں فرد کی بے بسی، گھٹن، زندگی کی تلاش اور امید کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان کے اشعار زندگی کی جانب ان کے گہرے ادراک کا اظہار ہیں۔ ہمارے معاشرے میں عموماً شاعر کے فکر و احساس کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے حالاتِ زندگی کو ہی مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ شکیب کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ رہا اور ان کے ذہنی خلفشار اور ناگہانی موت کے تناظر میں ہی ان کی فکر کا تعین کیا جاتا رہا۔ اکثر ناقدین نے ان کی شاعری کو درد و الم، یاس اور قنوطیت کے ساتھ پیوستہ کر دیا تاہم گہری نظر سے ان کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اپنی فکر میں بالکل ایک عام انسان کی مانند دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی شاعری کے بے شمار رنگ ہیں۔ اگر رنج و غم کا اظہار ہے تو امید اور سرخوشی کے جذبات بھی موجود ہیں۔ ان کی فکر اور فن میں اکثر و بیشتر روشنی اور اجالے کے پیکر تراشے

ہوئے نظر آتے ہیں۔ تشبیہات و استعارات کے ذریعے بھی زندگی کا متوازن سلسلہ واضح ھوتا ہے جس میں نفی و اثبات، نیکی و بدی، امید و یاس، رنج و راحت سب کچھ دیکھا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید شکیب جلالی کے فکر و فن کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> "شکیب جلالی کا داخلی تحرّک گرد و پیش کی اشیا اور مظاہر کو نئی ترتیب دیتا ہے اور فطرت ان کے اظھار کے لیے نئے استعارے اور علامتیں فراھم کرتی ھے۔ انھوں نے زندگی کی وسعتوں کو اس چابک دستی سے سمیٹا کہ حدودِ وقت سے آگے نکل جانا مشکل نہ رھا۔ شکیب کی غزل انسان اور فطرت کے درمیان نیا رابطہ قائم کرتی ہے۔"(٦)

شکیب نے خارجی دنیا کے حقائق، مناظر اور اپنی فکر کے درمیان تطبیق پیدا کی ہے۔ ان کی قوتِ متخیلہ اطراف کے مناظر اور فضا کو رومانی احساس اور جذبے کے وفور سے خوش رنگ بناتی ہے:

عجب نہیں ہے پہاڑیوں پر شفق کا سونا پگھل رہا ہو
مکانِ تیرہ کے روزنوں میں یہ نُور کے آبشار دیکھو(۷)

اسی لیے تو ہوا رو پڑی درختوں میں
ابھی میں کھل نہ سکا تھا کہ رُت بدلنے لگی(۸)

شکیب کے ہاں حسّی پیکروں سے رغبت کا سلسلہ ان کی شاعری کی کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔ اندروں کے انکشافات اور خارج کے رنگ رنگ مظاہرے سے عمدہ نقش گری کرنے والے شاعر کے بارے میں شمس الرحمن فاروقی کی یہ رائے صائب ہے:

> "ایسے پیکروں کے وہ بادشاہ ہیں جو آنکھ اور سامعہ کو متاثر کریں کبھی یہ پیکر دونوں حسّوں کو بیک وقت بھی متاثر اور متحرک کرتے ہیں۔"(۹)

انتخابِ الفاظ کا سلیقہ بھی شکیب جلالی کے احساس و تخیل کو عجب تاثر اور جذبہ عطا کرتا ھے۔ شکیب کی شاعری سے چند مثالیں دیکھیے جو باصرہ اور سامعہ کو بیک وقت متاثر اور متحرک کرتی ہیں:

ستارے سسکیاں بھرتے تھے اوس روتی تھی
فسانہ جگر لخت لخت ایسا تھا(١٠)

وہ خموشی انگلیاں چٹخا رہی تھی اے شکیبؔ
یا کہ بوندیں جم رہی تھیں رات روشندان پر(١١)

؎ آ کر گرا تھا کوئی پرندہ لہو میں تر
تصویر اپنی چھوڑ گیا ہے چٹان پر(۱۲)

شکیب جلالی کے تراشے ہوئے حسّی پیکروں میں ان کی سوچ کا عکس اور جمالیاتی ذوق نظر آتا ہے۔ فطرت کی خوب صورت تصویروں میں کہیں سوانحی رنگ دکھائی دیتا ہے تو کہیں موسموں کی یلغار میں باز آفرینی کا عمل ملتا ہے۔ اکثر و بیشتر گزرے بیتے دنوں کی یاد بھی کچوکے لگاتی ہے اور کبھی وہ تنہائی کے صحرا میں اکیلے گھومتے نظر آتے ہیں:

؎ چھڑا کے ہاتھ بہت دور بہہ گیا ہے چاند
کسی کے ساتھ سمندر میں ڈوبتا ہے کوئی(۱۳)

؎ ایک ہمیں ہی اے سحر نیند نہ آئی رات بھر
زانوئے شب پہ رکھ کر سارے چراغ سو گئے(۱۴)

؎ کبھی جو شاق گزرتا ہے خندۂ انجم
سسکنے لگتا ہے نوکِ مژہ پہ اک تارہ(۱۵)

شکیب کے ہاں تخیّل کی فراوانی اور تخلیقی قوت جس جمالیاتی ہیئت میں ڈھلتی ہے اُس میں صرف حسّیات کو متاثر کرنے کی قوت نہیں بلکہ گردشِ شام و سحر کے مابین تسلسلِ حیات کو قائم رکھنے اور عزمِ سفر کا حوصلہ بھی ملتا ہے۔ زندگی پر گہری نظر ڈالنے والا شخص ہی یہ ادراک رکھتا ہے کہ انسان محض مجبور نہیں ہے بلکہ توقیرِ بشر اسی سے ہے کہ وہ غیر متزلزل یقین، توانائی اور جوش و ولولے سے قدم بڑھاتا رہے۔ جہدِ مسلسل سے ہی اسرارِ کائنات منکشف ہوتے ہیں۔ اپنی قوتوں پر بھروسا ہو تو احساس کے مثبت رنگ خود بخود دمکنے لگتے ہیں اور انسان کا رشتہ رجائیت سے جڑ جاتا ہے:

؎ ہاں، کوہِ شب کو کاٹ کے لانا ہے جُوئے نور
ہاں، بڑھ کے آفتاب کا تیشہ سنبھالیے(۱۶)

مادی زندگی میں انسان کو روزافزوں نت نئے انقلابات و ایجادات کا سامنا ہے۔ زمانے کی برق رفتاری نے محسوسات پر کاری ضرب لگائی ہے۔ زمانے کا چلن بدلنے سے انسانی نفسیات بھی بدل رہی ہے۔ باطن خالی اور کھوکھلے ہو چکے۔ اپنی خوابیدہ صلاحیتوں جگانے میں مصروف انسان مادی اعتبار سے تو مضبوط ہو رہا ہے لیکن احساس و مروت کے سوتے خشک ہوتے جا رہے ہیں۔ شکیب جلالی سماجی سطح پر کھوکھلے اور دوغلے رویے دیکھتے ہیں تو ظاہر اور باطن کا تضاد انھیں بہت کچھ کہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ کہیں وہ اپنا خیال براہِ راست اور کہیں تشبیہ و استعارے کے پیرائے میں پیش کرتے ہیں۔ عموماً سبھی شعرا غیر مرئی خوابوں اور طلسماتی دھندلکوں کی لطیف تخلیق کے وقت تشبیہات و استعارات کی

مدد سے حواس کے نئے وسیلوں تک پہنچتے ہیں اور یہی فنّی وسیلے ان کی شاعری میں معنوی گہرائی پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ شکیب کے ہاں بھی ان کا منفرد استعمال نظر آتا ہے۔ ان کا فنِ شاعری نت نئے استعارے اور تشبیہات تشکیل دیتا ہے:

ملبوس خوش نما ہیں مگر جسم کھوکھلے
چھلکے سجے ہوں جیسے پھلوں کی دکان پر(۱۷)

سوکھی بیلیں، داغی کلیاں، زخمی تارے، روگی چاند
ایک ہی سب کا حال ہے یارو، کون یہاں بیمار نہیں(۱۸)

شکیب جلالی کے ہاں زندگی کے تلخ حقائق کا اظہار کہیں علامتی انداز میں اور کہیں واشگاف نظر آتا ہے۔ مادیت پرستی کے دور میں انسان کی اپنی شناخت اور پہچان کی تلاش، انسان کی انسان سے بے گانگی، اندرونی توڑ پھوڑ، شب خون کے ڈر سے ہر شئے پر عدم اطمینان کا اظہار، تنہائی کی بھیڑ میں گم ہو جانے کا خوف، عدم اطمینان اور ناآسودگی اور سوگواری کا راج، طرب وطمانیت کے عنصر کا مفقود ہونا، یہ سب ایسے شکیب کی شاعری کا موضوع ہیں۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ بیان کیے گئے تمام موضوعات دراصل زندگی کے اور انسانی سوچ کے ہی مختلف پہلوؤں کو واضح کر رہے ہیں۔ شکیب نے ان تضاداتِ انسانی کو خبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے:

کیسی چلی یہ تیغ کہ ثابت رہا بدن
تقسیم ہو گیا مگر اندر کا آدمی(۱۸)

شب خون کے ڈر سے تھا مجھے ہر پیڑ پر گماں
یہ بھی نہ ہو غنیم کے لشکر کا آدمی(۱۹)

کوئی ہے داتا کوئی سوالی
تیرے جگ کی ریت نرالی(۲۰)

دوسری طرف انسان جب اپنی ذات کے اندر جھانکے تو اُسے نئے جہانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ لامحدود کائنات میں انسان کا تخیل بے کراں ہے جو اُسے جہدِ مسلسل اور خواب بننے کا عمل جاری رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ شکیب جب عظمتِ بشر کا ذکر کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ کائنات میں سوائے بشر کے اور کوئی حقیقت موجود نہیں۔ وہ سلسلۂ حیات و کائنات میں انسان کی بزرگی، عظمت اور فضیلت کے قائل ہیں۔ وہ انسانی زندگی کے ارتقائی سفر کو لطیف انداز میں بیان کرتے ہیں۔ شکیب کے لہجے میں اعتماد جھلکتا ہے

؎ چاندنی غازۂ پائے جولاں
کہکشاں جادۂ ابنِ آدم (۲۱)

شکیب جلالی کے ہاں انسان کی اخلاقی اقدار کے حوالے سے انسانیت کے معیار کے پیمانے بھی نظر آتے ھیں۔ان کی سوچ کے مطابقیی ابنِ آدم جب مقصدِ حیات سے ہٹ جائے، خود غرض اور مفاد پرست بن جائے تو جینا دشوار ہو جاتا ہے۔شکیب جلالی نے خیال کی ادائیگی لطیف انداز میں کی ہے لیکن تلخ حقائق کو بیان کرتے ہوئے طنز کی کاٹ شدت سے محسوس کی جاسکتی ہے:

؎ سیم و زر کا بھلا ہو جس کے طفیل
آج کل باوقار ہے انسان (۲۲)

شکیب کے ہاں مصرعوں کی موزونیت اور چُستی نے دلکشی پیدا کی ہے۔وہ مختلف فنّی حربے سلیقے سے برتتے ہیں۔ حقیقت اور جذبات کے امتزاج سے مملو یہ شاعری فنّی حسن لیے ہوئے ہے۔ان کے ھاں تمثال کاری کے فن میں بھی مھارت، سلیقہ اور وسعت نظر آتی ھے۔منظر کشی اور جذبات نگاری کو انھوں نے بے حد مؤثر تمثالوں کے ذریعے واضح کیا ھے۔ حقائق اور بڑے سے بڑا نقطہ بیان کرنے کا ایک بہترین ذریعہ تلمیحات اور اساطیر ہیں جن سے وقت کی کفایت کے ساتھ ایجاز اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔شعری افادیت بڑھانے کے لیے یہ معنی خیز اشارے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔شکیب کے کلام میں بھی اسلامی اساطیر اور تلمیحات کے استعمال سے بلاغت پیدا ہوئی ہے۔ان سے ان کے میلانِ طبع اور ترجیحات کا اندازہ ہوتا ہے:

؎ اے چشمِ شوق یاد بھی ہے داستانِ طور
جلوؤں کا ان سے کیسے تقاضا کرے کوئی (۲۳)

؎ نکلے جو انا الحق کی صدا حرکتِ دل سے
ایمان کی تکمیل ہے الحاد نہیں ہے (۲۴)

یہ مثال بھی دیکھیے جس میں تختِ سلیماں کا حوالہ شامل کر کے انسانی تخیل کی بلندی اور تیزی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

؎ کہاں کی سیر نہ کی توسنِ تخیل پر
ہمیں تو یہ بھی سلیماں کے تخت ایسا تھا (۲۵)

شکیب کی شاعری یقین اور تشکیک کے درمیان گھومتے انسانوں کی زندگی، رویوں کی خوبصورتی اور بدصورتی پر مبنی ہے۔ وہ اپنے عصر کے لوگوں کی خرابیوں، لوٹ مار، جبر، ناآسودگی اور بدلی اقدار کا نوحہ بیان کرنے کا بے باک انداز اپناتے ہیں۔ انھوں نے اپنے فنی احساس کو بروئے کار لاتے ہوئے جذبات واحساسات کی تمام ترکیفیات کو اظہار کے منفرد وسیلے عطا کیے ھیں۔ ان کے ہاں کلام میں کہاوتوں، ضرب الامثال اور محاوروں کی مدد سے زمانے کی شکایت اور مافی الضمیر کو پیش کرنے کا اہتمام ملتا ہے۔ اس ضمن میں کہیں لفظی تغیر بھی کرتے ہیں:

؎ مفتیِ شہر کی تقریر سے ڈرنا کیا ہے
کہیں ایسے بھی گرجتے ہیں برسنے والے(۲۶)

؎ ان نئی کونپلوں سے مرا کیا کوئی بھی تعلق نہ تھا
شاخ سے توڑ کر، اے صبا، خاک میں کیوں ملایا مجھے(۲۷)

؎ حق بات آ کے رُک سی گئی تھی کبھی شکیبؔ
چھالے پڑے ہوئے ہیں ابھی تک زبان پر(۲۸)

؎ دن ہو اگر تو رات سے تعبیر کیوں کریں
سورج کو اہلِ ہوش دکھاتے ہیں کب چراغ(۲۹)

شکیب لفظوں کے نباض ہیں انھوں نے غزل میں اپنی فنّی اور تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ ان کی غزل میں جھاں فکر کی ندرت محسوس ھوتی ھے وھیں وہ فنی طور پر بھی انفرادیت کے حامل ہیں۔ تشبیہات و استعارات کی جدت اور نئی ڈکشن خاص طور پر شکیب کی انفرادیت کا تاثر بہت واضح کرتی ہیں۔ داخلیت اور خارجیت کے ایک متوازن اور خوب صورت امتزاج نے ان کی غزل کو نئی جھت عطا کی ھے۔

ان کی شاعری کے فنّی لوازمات محض آرائش سخن کا باعث نہیں ہیں بلکہ ان کے بر محل استعمال سے معنی خیزی اور لطافت شعر میں اضافہ ہوا ہے۔ صرف دو مزید مثالیں دیکھیے:

؎ ہر عندلیب مرگِ تبسم پہ نوحہ خواں
ہر پھول سوگوار، کہاں آ گیا ہوں میں(۳۰)

؎ ایک ہمیں ہی اے سحر، نیند نہ آئی رات بھر
زانوئے شب پہ رکھ کر سر، سارے چراغ سو گئے(۳۱)

بحیثیت مجموعی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شکیب کی شاعری کے موضوعات ان کے اطراف اور خارج سے متعین

ہوئے ہیں لیکن انسان کی اندرونی کیفیات اور اس کی پیچیدگیاں بھی ان کا موضوع ہیں۔ وہ معاملاتِ انسانی کی پیشکش میں داخلی نقطۂ نظر کے ساتھ خارجی اور معاشرتی نقوش کو بھی ابھارتے ہیں۔ ان کی شاعری میں انسان دوستی کے جذبات و خیالات جابجا نظر آتے ہیں۔ جذبے کی سچائی ھی کے فیض سے ان کی شاعری جمود کا شکار نہیں ہوتی۔ تفکر اور شعریت کے امتزاج نے شکیب کی شاعری کو آج تک مقبول بنائے رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انسانی نفسیات اور فرد کے داخلی تجربات و واردات کی پیش کش میں وہ پیکر تراشی سے مدد لیتے ہیں۔ ان کی علامات، امیجری اور اشاروں کے پیچھے ان کا شعری مزاج اور شدتِ احساس کار فرما رہتا ھے۔ دروں کی جستجو، کیفیت اور کشمکش کے اظہار نے ان کے احساس کو فطرت کے ساتھ آمیز کر کے خوبصورت بنایا ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز، معاشرتی رویوں کا تنوع، مناظرِ فطرت، تشبیھات و استعارات کی جدت، خوب صورت تصویر کشی، رجائیت اور رومان کے سب ھی رنگ ان کی شاعری کے کینوس پر بکھرے ہوئے ہیں۔ اسی لیے ان کی شاعری ہم عصر شعرا کے مقابلے میں بھرپور تاثر چھوڑتی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ جعفر رضا، پروفیسر۔ احساس ناآسودگی کا شاعر، مشمولہ: کلیات شکیب جلالی، نئی دہلی: فرید بک ڈپو، ۲۰۰۷ء، ص ۱۰۱
۲۔ شکیب جلالی۔ کلیات شکیب جلالی۔ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴، ص ۱۳۳
۳۔ شمس الرحمن فاروقی، معرفت شعر نو، مرتب سیدار شاد حیدر، حیدر آباد: الانصار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۲۴۲
۴۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر۔ جدید اردو غزل کا فنی سرافا، مشمولہ اردو غزل کا تکنیکی، ہیئتی اور عروضی سفر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء، ص ۲۵۷، ۲۵۸
۵۔ احمد ندیم قاسمی۔ شکیب جلالی مشمولہ شکیب جلالی فن اور شخصیت مرتب ذوالفقار احسن۔ راولپنڈی: نقش گر پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۲۳
۶۔ انور سدید، ڈاکٹر۔ اردو ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۱، ص ۴۹۹
۷۔ شکیب جلالی۔ کلیات شکیب جلالی، ص ۱۴۹
۸۔ ایضاً، ص ۱۰۸
۹۔ شمس الرحمن فاروقی۔ شکیب جلالی: مشعلِ درداب بھی روشن ہے مشمولہ شکیب جلالی فن اور شخصیت، ص ۳۰

۱۰۔ شکیب جلالی، کلیاتِ شکیب جلالی، ص ۱۰۵
۱۱۔ ایضاً، ص ۱۲۰ ۱۲۔ ایضاً، ص ۱۲۳ ۱۳۔ ایضاً، ص ۱۱۷ ۱۴۔ ایضاً، ص ۱۷۲ ۱۵۔ ایضاً، ص ۳۶۷
۱۶۔ ایضاً، ص ۱۷۴ ۱۷۔ ایضاً، ص ۱۲۴ ۱۸۔ ایضاً، ص ۳۸۸ ۱۹۔ ایضاً، ص ۴۲۳ ۲۰۔ ایضاً، ص ۳۲۲
۲۱۔ ایضاً، ص ۱۸۸ ۲۲۔ ایضاً، ص ۲۳۳ ۲۳۔ ایضاً، ص ۲۱۱ ۲۴۔ ایضاً، ص ۲۴۰ ۲۵۔ ایضاً، ص ۱۰۵
۲۶۔ ایضاً، ص ۳۷۹ ۲۷۔ ایضاً، ص ۱۵۷ ۲۸۔ ایضاً، ص ۱۲۴ ۲۹۔ ایضاً، ص ۱۹۱ ۳۰۔ ایضاً، ص ۲۱۴
۳۱۔ ایضاً، ص ۱۷۲